صاحبزادہ برق التوحیدی
فیصل آباد

تحقیق و تنقید

حدیث عائشہؓ اور اسکی اسنادی حیثیت

دنیا کے کسی معاشرہ و تہذیب، مذہب اور سوسائٹی میں جھوٹ کو نہ صرف یہ کہ روا نہیں سمجھا گیا بلکہ اسے تمام مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی عیوب و نقائص سے بدترین جرم اور گناہ تصور کیا گیا ہے۔ بالخصوص اسلامی تعلیمات میں اسے کبیرہ اور مرکزی گناہ کی حیثیت سے دیکھا گیا ہے۔ نیز دنیا کے اعتبار سے جھوٹ نہ صرف انسان کو کسی ابتلاؤ آزمائش سے نجات نہیں دلاتا بلکہ یکے بعد دیگرے متعدد آلام و مصائب سے دوچار بھی کرتا ہے کہ ایک جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لیے کئی جھوٹ بولنا پڑتے ہیں۔ پھر جھوٹ اپنے متعلقات کے اعتبار سے شدت و خفت کا حامل بھی ہوتا ہے مثلاً تمام سے اخف درجہ کا جھوٹ وہ ہے کہ صلح بین المسلمین کی غرض سے معمولی بات خلاف واقعہ کہی جا سکتی ہے اور تمام سے اشد اور زیادہ موجب سزا جھوٹ وہ ہے جو ایسی ذات پر بولا جائے جس پر لوگوں کا اعتماد ہو کہ وہ جو بات بھی کہے گا وہ یقیناً صحیح اور قابل عمل ہو گی۔ چنانچہ سب سے قبیح ترین سٹیج یہ ہے کہ کوئی شخص ذات باری تعالیٰ پر جھوٹ باندھے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر مختلف پیرایوں میں فرمایا ہے:

"ومن اظلم ممن افترٰی علی اللہ کذبا"

کہ اس نوع کا سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو حصول مفاد کی خاطر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے"

اب رب کائنات کے بعد یقیناً دنیا میں بلند مقام انبیاء علیہم السلام بالخصوص ہمارے پیغمبر سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ فداہ ابی وامی وروحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام ہے کہ اس

اعتبار سے ان پر جھوٹ باندھنا اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ قابلِ مذمت و مواخذہ ہے غالباً اسی وجہ سے احادیث کی ایک کثیر تعداد، بالخصوص اس قسم کے جھوٹ کی مذمت میں وارد ہوئی ہے حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من کذب علیّ متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ — جو شخص میری طرف کسی ایسی بات کو منسوب کرے جو میں نے نہ کہی ہو اسے اپنا گھر جہنم سمجھ لینا چاہیے۔

اس شدتِ وعید کا یقیناً مقصد یہی ہے کہ شریعتِ مطہرہ کے مباوی واصولوں میں کسی شخص کو اپنی رائے سمونے کا موقعہ نہ مل سکے۔ اللہ تعالیٰ کروڑ ہا رحمتیں نازل فرمائے ان محدّثینِ کرام پر جنہوں نے احادیث رسول اللہ کے چشمۂ صافی کو مکدّر ہونے سے بچایا اور موضوع روایات کو الگ کرکے لوگوں کے سامنے خالص و مصفیٰ علمِ شریعت پیش فرمایا، یہی نہیں بلکہ انہوں نے ایسے رواۃ اور ان کی مرویات سے بھی ہمیں واقف کرایا جنہوں نے اپنی طرف سے احادیث وضع کیں اور ساتھ ہی اصول بنادیا کہ ایسی روایات کو حصول مفاد کا ذریعہ اور زیبِ خطابت بنانا جرم ہے لیکن افسوس کہ بعض لوگ اس اصول سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اپنے مفاد کی خاطر ایسی جملہ روایات کو زیبِ داستان کے لیے استعمال کرتے ہیں جنہیں محدّثین نے بالاتفاق موضوع اور جھوٹ کہا ہے، ایسی جملہ روایات میں سے ایک روایت "حدیثِ عکاشہ" کے نام سے زبان زدِ عام ہے جسے عموماً خطباء، وعاظ کرام بڑے طمطراق سے بلا علت بتائے بیان کرتے ہیں اور یہی روایت آج کی مجلس کا انتخاب ہے۔

حدیثِ عکاشہ رضؓ:

حضرت جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سورۃ العصر کے متعلق فرماتے ہیں کہ جب یہ سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہ نازل ہوئی تو آپؐ نے جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ تم میری موت کا پیغام لائے ہو ــــ جبرائیل نے جواب دیا۔ آپؐ کے لیے آخرت دنیا سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ آپؐ کو ایسے انعامات سے نوازے گا کہ آپ خوش ہوجائیں۔ یہ سن کر نبی علیہ السلام نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا کہ لوگوں کو جمع کرنے کے لیے اذان کہیں۔ اذان کہی گئی ــــ جب مہاجرین وانصار جمع ہوگئے تو آپؐ نے نماز پڑھائی ــــ بعد ازاں

منبر پر چڑھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد نہائت دل پذیر اور رقت آمیز خطبہ ارشاد فرمایا کہ "اے لوگو میں تمہارے لئے کیسا پیغمبر ثابت ہوا؟" لوگوں نے بیک زبان ہو کر جواب عرض کیا۔ "آپ بہترین پیغمبر ثابت ہوئے اور ایک مشفق باپ، خیراندیش بھائی کی طرح آپ نے تمام ارشادات الٰہیہ اور پیغامات خداوندی کو نہایت حکمت اور عمدہ طریق سے ہم تک پہنچاتے ہوئے صراط مستقیم کی ہمیں دعوت دی۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس طرح ہماری طرف سے بہترین جزاء سے نوازے جیسے وہ ہر پیغمبر کو اس کی امت کی طرف سے نوازا کرتا ہے۔

آپؐ نے فرمایا۔ "مسلمانو! میں تمہیں اللہ کے نام اور اپنے حقوق کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ اگر میں نے کسی پر ظلم کیا ہو تو وہ مجھ سے قیامت کے دن قصاص لینے کی بجائے آج ہی قصاص لے لے" ـــ مسلمان اس اعلان پر دم بخود تھے کہ اتنے میں عکاشہ نامی بوڑھا لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آگے بڑھا اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے کھڑا ہو کر عرض گذار ہوا:

"آپ پر میرے والدین قربان و فدا ہوں اگر آپ بار بار خدا کا واسطہ دے کر یہ اعلان نہ فرماتے تو میں کبھی قصاص لینے کے لیے کھڑا نہ ہوتا۔ بہر حال میں ایک جنگ میں آپ کے ساتھ تھا جب نصرت خداوندی سے لشکر اسلام فتح یاب واپس آرہا تھا تو راستہ میں میری اونٹنی آپؐ کی سواری کے قریب پہنچی۔ میں نیچے اترا کہ آپ کے ران مبارک کو بوسہ دے سکوں تو آپ نے چھڑی مبارک میرے پہلو پہ دے ماری۔ نہ معلوم آپ نے ایسا عمداً کیا یا اونٹ کو مارنے کی غرض سے!" ـــ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، "معاذ اللہ آپ کو مارنا تو میری شایان شان ہی نہیں۔ اس کے ساتھ آپؐ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کہا کہ جاؤ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے وہی چھڑی لے کر آؤ۔ حضرت بلالؓ یہ کہتے ہوئے مسجد سے نکلتے ہیں کہ ـــ "یہ اللہ کے پیغمبر ہیں جو اپنے نفس سے قصاص چکا رہے ہیں۔ حضرت فاطمہؓ کے گھر پہنچے، دستک دی۔ جب چھڑی مانگی تو فاطمۃ الزہراؓ سوال کرتی ہیں۔ "بلالؓ! والد مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کیا کریں گے حالانکہ نہ ایام حج ہیں نہ اعلان جہاد؟" ـــ بلالؓ نے کہا۔ "تم بھی عجیب غفلت میں ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو خیرباد کہہ رہے اور لوگوں کو قصاص دے رہے ہیں!" ـ حضرت فاطمہؓ نے حیرانگی سے کہا "کون شخص ہے جو آنجنابؐ سے قصاص لینے

پر آمادہ ہوگا ؟ ـــ اور اگر واقعتہً ایسا ماجرا ہے تو حسنینؓ سے کہیے کہ رسالتمآبؐ کی جگہ قصاص پیش کریں" ـــ حضرت بلالؓ آئے اور چھڑی نبی علیہ السلام کو تھما دی۔ آپؐ نے چھڑی عکاشہ کو دیتے ہوئے کہا قصاص لے لو۔ جب یہ واقعہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے دیکھا تو کھڑے ہوئے اور عکاشہ سے کہا، آنجنابؐ کی بجائے ہم سے قصاص لے لو، لیکن سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "بس اللہ تعالیٰ نے آپ کے مقام و مرتبہ کو پہچان لیا ہے۔" اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا، "عکاشہ میری زندگی میں تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قصاص لے رہے ہو ؟ مجھے یہ برداشت نہیں، میری پیٹھ حاضر ہے، قصاص لے لو، ایک صد کوڑے لگا لو" ! ـــ نبی علیہ السلام نے حضرت علیؓ کو بٹھاتے ہوئے کہا "اللہ تعالیٰ نے آپ کی نیت اور مقام کو پہچان لیا ہے" ـــ پھر حسنینؓ کھڑے ہوئے اور کہا ـــ "عکاشہ تم جانتے ہو، ہم پیغمبر علیہ السلام کے نواسے ہیں تم ان کی بجائے ہم سے قصاص لو"۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا نور چشم بیٹھ جائیے، اللہ آپ کو اعلیٰ مقام سے نوازے" اور فرمایا "عکاشہ قصاص لینا ہے تو جلد کرو ؟" عکاشہ نے مطالبہ کیا کہ حضرت جب آپ نے مجھے مارا تھا تو میں برہنہ بطن تھا تو نبی علیہ السلام نے اپنے بطن مبارک سے کپڑا اٹھایا اور مسلمان شدت جذبات سے چیخ اٹھے کہ کیا عکاشہ واقعی رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قصاص لے گا ؟ ـــ لیکن عکاشہ نے جب قطبی رنگ جیسے سرخ و حسین اور جاذب النظر بطن اطہر کو دیکھا تو جذبات سے باہر ہوئے اور بوسہ دیتے ہوئے فرمایا ـــ "فداک ابی و امی" ! ـــ "حضورؐ آپ پہ میرے والدین قربان، کون چاہتا ہے کہ آپ سے قصاص لے" ؟ ـــ لیکن آپؐ فرماتے ہیں۔ "عکاشہ قصاص لینا ہے تو لے لو ورنہ معاف کرو" ! ـــ عکاشہ نے کہا "حضورؐ میں آپ کو اس امید پر معاف کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھے معاف کر دے گا"۔ نبی علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا۔ "جس کا دل چاہتا ہے کہ وہ جنت میں میرے ساتھی کو دیکھے تو اس بوڑھے کو دیکھ لے" ـــ لوگ یہ اعزاز سنتے ہی اٹھے اور حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کو بوسہ دینا شروع کر دیا اور کہا ـــ اعلیٰ درجات اور نبی علیہ السلام کی رفاقت کا اعزاز حاصل ہونے پر ہماری طرف سے پیغام تہنیت و مبارک قبول ہو۔ اتفاق سے اسی دن نبی علیہ السلام بیمار ہوگئے اور اٹھارہ دن مسلسل صاحب فراش رہنے کے بعد سوموار کو انتقال فرما گئے (انا للہ وانا الیہ راجعون) اور یہ بھی

اتفاق ہی کی بات ہے کہ آپؐ کی ولادت باسعادت بھی سوموار کو ہوئی اور پہلی وحی بھی سوموار کو نازل ہوئی اور اسی دن دنیا سے رخصت ہوئے اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ آپؐ کے ایامِ مرض میں لوگ آپؐ کی عیادت بھی کرتے رہے اور جب اتوار ہوئی تو مرض شدید ہو گیا حضرت بلالؓ نے حسبِ معمول اذان کہی اور نبی علیہ السلام کے دروازہ پہ کھڑے ہو کر آواز دی۔ ”اے اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جماعت تیار ہے“ یہ آواز نبی علیہ السلام نے بھی سنی لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ ”بلال آج نبی علیہ السلام اپنے نفس میں مشغول ہیں (یعنی انہیں سخت تکلیف ہے)“ حضرت بلالؓ واپس مسجد میں آئے اور کہا ”میں آج اقامت نہیں کہوں گا یا نبی علیہ السلام اجازت فرمائیں“ ـــــ ادھر صبح ہوا چاہتی تھی۔ حضرت بلالؓ دوبارہ حاضرِ خدمت ہوئے، دروازہ سے سلام عرض کیا۔ نبی علیہ السلام نے حضرت بلالؓ کی آواز پہچانتے ہوئے اندر آنے کی اجازت دے دی اور فرمایا۔ ”آج میں اپنے نفس میں مشغول ہوں لہٰذا ابوبکر سے کہیے کہ وہ نماز پڑھائیں“۔ حضرت بلالؓ سر پہ ہاتھ رکھے یہ کہتے ہوئے واپس تشریف لائے ”ہائے افسوس میری کمر ٹوٹ گئی، امیدیں ختم ہو گئیں۔ کاش میری ماں مجھے جنم ہی نہ دیتی یا آج کے دن سے پہلے ہی میں مر چکا ہوتا ـــ ابوبکر تمہیں نبی علیہ السلام نے امامت کے لئے کہا ہے!“ ـــــ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نہایت رقیق القلب، دور اندیش تھے یہ اطلاع سنتے ہی آپؓ پہ غشی طاری ہو گئی لوگ یہ کیفیت دیکھ کر جمع ہوئے اور رونا شروع کر دیا۔ رونے کی آواز نبی علیہ السلام نے بھی سن لی اور فرمایا ”یہ آواز کیسی ہے؟“ آپؐ کو بتایا گیا کہ آپؐ کے تشریف نہ لانے کی وجہ سے لوگ ہچکیاں لے رہے ہیں، یہ سن کر نبی علیہ السلام حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا سہارا لے کر مسجد کی طرف آئے اور ”ہلکی سی رکعتیں پڑھائیں پھر آپؐ چہرۂ انور سے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے، ”میں تمہیں الوداع کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی سپرداری میں چھوڑتا ہوں وہ میرے بعد تمہارا نگہبان ہے، مسلمانو، یہ میرا دنیا کا آخری اور آخرت کا پہلا دن ہے یعنی دنیا کو چھوڑ رہا ہوں، تم میرے بعد اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور اس کی اطاعت کرتے رہنا“

جب سوموار کا دن شروع ہوا آپؐ کا مرض شدید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت سے کہا، ”میرے محبوب رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عمدہ ہیئت میں جا کر نہایت

آرام و احترام سے ان کی روح قبض کر لاؤ"۔ ملک الموت نے نبی علیہ السلام کے دروازہ پر ایک اعرابی کی صورت میں آ کر سلام کہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا، "اس آنے والے کو جواب دیجئے۔" انہوں نے ملک الموت کو جواب دیا۔ "اے بندہ خدا، اللہ تعالیٰ تمہارے سفر کو قبول فرمائے، نبی علیہ السلام آج اپنے نفس میں معروف و مشغول ہیں۔" اس نے دوبارہ آواز دی حضرت عائشہؓ نے پھر حضرت فاطمہؓ سے کہا "جواب دو"، حضرت فاطمہؓ نے پھر وہی جواب دیا، اس نے پھر آواز دی۔ "اے گھرانۂ نبوت، خزانۂ رسالت والو، اے مہبط ملائکہ کے وارثو۔ میں تو آج ضرور داخل ہوں گا اور داخل ہونے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں!" جب نبی علیہ السلام نے ملک الموت کی یہ آواز سنی تو حضرت فاطمہؓ سے پوچھا۔ "دروازہ پر کون ہے؟" انہوں نے عرض کیا، "ایک آدمی ہے جو اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا ہے اور اس مرتبہ اس نے ایسی بات کہی ہے کہ میرا جسم کانپ اٹھا اور رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں"! نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ "فاطمہؓ تمہیں علم نہیں آج دروازہ پر کون ہے؟ ـــ یہ وہی ہے جو انسانوں کی خوشیاں، غمی میں اور تنہائیوں کو ماتم میں تبدیل کر دیتا ہے، جماعتوں کو بکھیر دیتا ہے، جو عورتوں کو بیوہ، اور بچوں کو یتیم کرتا ہے، جو گھروں کو ویران اور قبروں کو آباد کرتا ہے! ـــ آپؐ نے اجازت دی۔ "ملک الموت اندر آجاؤ۔" جب ملک الموت آیا تو نبی علیہ السلام نے پوچھا، "محض زیارت کرنے آئے ہو یا روح قبض کرنے کے لیے؟" ـــ اس نے عرض کیا، "دونوں کام کرنے آیا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں آپؐ کی اجازت کے بغیر گھر آؤں اور نہ روح قبض کروں۔ چنانچہ آپ اگر اجازت دیں تو فبہا ورنہ واپس چلا جاتا ہوں"! ـــ آپؐ نے فرمایا "اے ملک الموت میرے دوست جبرائیل علیہ السلام کو کہاں چھوڑ کر آئے ہو؟" ـــ عرض کیا۔ "وہ آسمان دنیا پر ہیں اور لوگ ان سے آپ کے متعلق تعزیت کر رہے ہیں"۔ اتنے میں جلد ہی جبرائیل علیہ السلام بھی تشریف لے آئے اور آپؐ کے سرہانے بیٹھ گئے تو نبی علیہ السلام نے فرمایا "یہ دنیا سے جانے کا وقت ہے، آپ کوئی خوشخبری سنائیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میرے لئے کیا تیار ہے؟" جبرائیل نے عرض کیا۔ "میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ آپ کے لئے جنت کے دروازے کھل چکے ہیں، نہریں جاری ہو چکی ہیں، رنگا رنگ کے پھل تیار ہو چکے ہیں

اور حسینانِ قدس آپ کی روح کے استقبال کے لئے صف بستہ کھڑی ہیں" آپؐ نے اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا، "اے جبرائیل میرے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں اور کیا کیا تیار ہے؟" جبرائیل نے عرض کیا، "اے اللہ کے حبیب، میں جب آیا ہوں تو آسمان کے دروازے کھل چکے تھے اور فرشتے اپنے پروں کو پھیلائے نہایت نظافت و طہارت اور نظم و نسق سے آپؐ کی روح کے استقبال کی خاطر قطار در قطار کھڑے تھے!۔۔۔ آپؐ نے فرمایا، "کوئی مزید خوشخبری سنایئے"؟ جبرائیل نے عرض کیا۔" آپ قیامت کے دن ایسے سفارش کنندہ ہوں گے جن کی سفارش قبول کی جائے گی"! آپؐ نے اللہ کا شکر ادا کیا تو جبرائیل نے عرض کیا۔ "میرے محبوب آپ مجھ سے کس چیز کے متعلق دریافت کرنا چاہتے ہیں؟" آپؐ نے ارشاد فرمایا۔" اپنے اس غم اور فکر سے متعلق کہ میرے بعد میری امت کے حفاظ، روزہ دار، حجاج اور امت کے پسندیدہ لوگوں کا کیا بنے گا؟"۔ جبرائیل نے عرض کیا، "اے اللہ تعالیٰ کے حبیب خوش ہو جایئے کہ اللہ تعالےٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں پر اس وقت تک جنت کو حرام قرار دیا ہے جب تک آپ اور آپ کی امت جنت میں داخل نہ ہو جائے"۔۔۔ آپؐ نے فرمایا "اب میں خوش ہوں، اے ملک الموت۔ قریب آؤ اور اپنا کام انجام دو"۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ بولے "اے اللہ تعالیٰ کے حبیب اگر آپ انتقال وارتحال فرما گئے تو آپ کو نہلائے گا کون؟ کفنائے اور دفنائے گا کون؟ اور کون نماز جنازہ پڑھائے گا"؟ آپؐ نے فرمایا۔۔۔ "اے علی تم مجھے نہلانا اور فضل بن عباس پانی ڈالے درآنحالیکہ جبرائیل علیہ السلام تمہارے ساتھ ہوں گے، جب تم میرے غسل سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے تین کپڑوں سے کفن دینا اور جبرائیل خوشبو لے کر آئیں۔ جب مجھے چارپائی پر لٹا دو تو مسجد میں رکھ کر باہر نکل جانا۔۔۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ عرش ہی سے میری نماز جنازہ پڑھیں گے پھر جبرائیل پھر میکائیل اور پھر اسرافیل تا آنکہ تمام فرشتے گروہ در گروہ نماز جنازہ پڑھیں گے پھر تم مسجد میں داخل ہو کر صف در صف نماز جنازہ پڑھنا، بایں طور کہ میرے آگے کوئی نہ ہو"۔۔۔ حضرت فاطمہؓ فرمانے لگیں۔ "اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر علیہ السلام۔ آج جدائی کا دن ہے پھر ملاقات کب ہو گی"؟۔۔۔ فرمایا۔ "اے لختِ جگر، میں تمہیں قیامت کے دن حوضِ کوثر پہ اپنی امت کو پانی پلاتے ملوں گا!" فاطمۃ الزھراؓ نے عرض کیا، "اگر وہاں ملاقات نہ ہو سکی تو پھر کہاں"؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ "پھر تمہیں پل صراط پر ملوں گا جب کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور

دعا کر رہا ہوں گا ـــ "اے اللہ تعالیٰ میری امت کو آگ سے محفوظ رکھنا!" ـــ اتنے میں ملک الموت قریب ہوا اور آپؐ کی روحِ اقدس کو قبض کرنا شروع کر دیا ـــ جب روح ٹخنوں تک پہنچی تو نبی علیہ السلام نے ہائے کہا ـــ جب روح ناف تک پہنچی تو آپؐ نے ہائے مصیبت کہا۔ فاطمہؓ یہ سن کر بولیں۔ "اے ابا جان آپکی مصیبت میری مصیبت ہے"۔ جب روح سینے تک نکلی تو آپؐ نے فرمایا۔ "اے جبرائیل موت کا ذائقہ کس قدر کڑوا ہے"۔ یہ سن کر جبرائیلؑ نے منہ پھیر لیا۔ آپؐ نے یہ دیکھتے ہوئے فرمایا ـــ "جبرائیل آج تم مجھے دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے؟" جبرائیل نے عرض کیا ـــ "اے اللہ تعالیٰ کے حبیب علیہ السلام، کسی شخص کی طاقت ہے کہ وہ آپ کو سکرات الموت میں مبتلا ہوتے دیکھ سکے؟" اس اثناء نبی علیہ السلام کی روحِ اطہر قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی ـــ پھر حسبِ ارشاد۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فضلؓ بن عباس کی معیت میں آپؐ کو غسل دیا۔ جبرائیلؑ دونوں کے ساتھ تھے۔ پھر آپؐ کو نئے کپڑوں میں کفنا کر چارپائی پہ لٹا کر مسجد میں رکھ دیا گیا اور تمام لوگ باہر چلے گئے۔ پھر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نمازِ جنازہ پڑھی، پھر جبرائیلؑ نے، پھر میکائیلؑ نے اور پھر اسرائیلؑ اور پھر تمام فرشتوں نے جماعت در جماعت نمازِ جنازہ ادا کی ـــ صحابی کہتا ہے کہ "اس دوران ہم نے مسجد میں آمد و رفت کی سرسراہٹ تو سنی لیکن دیکھ کسی کو نہ سکے"۔ پھر کسی شخص نے پسِ پردہ آواز دی ـــ کہ "اب تم داخل ہو کر نمازِ جنازہ پڑھ لو" ـــ پھر ہم نے صف در صف آکر نمازِ جنازہ ادا کی، ہم نے جبرائیلؑ کی تکبیرات کی طرح تکبیرات کہیں اور کوئی بھی نبی علیہ السلام کے آگے نہ بڑھا۔ پھر ابوبکرؓ، علیؓ اور ابن عباسؓ قبر میں داخل ہوئے اور آپؐ کو دفن فرمایا۔ دفن کر کے جب لوگ واپس آئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علیؓ سے کہا۔ تمہارے قلوب واذہان نے تمہیں اس بات کی کیسے اجازت دی کہ تم نبی علیہ السلام پر مٹی ڈالو؟۔ کیا تمہارے دلوں میں نبی علیہ السلام کے متعلق رحمت و شفقت کا کوئی پہلو نہ تھا؟ حضرت علیؓ نے کہا کیوں نہیں؟ ـــ لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم کو کون روک سکتا ہے؟ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رو دیں اور کہا۔ "ہائے پہلے جبرائیل وحی لے کر آتے تھے لیکن آج جبرائیل کی آمد و رفت بند ہو گئی"۔

اصولی مسئلہ :

یہ حدیث جس قدر طویل و دلپذیر ہے اس سے کہیں زیادہ اسنادی اعتبار سے

کمزور و ضعیف بلکہ موضوع ہے جس کی تفصیل آئندہ سطور میں آرہی ہے۔ لیکن اس سے قبل ایک اصولی مسئلہ کی طرف توجہ دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ محدثین رحمہم اللہ نے یہ بات بیان کرنے کے بعد —— کہ "ایسی دلپذیر و رقت آمیز احادیث اکثر امت کے قصہ گو خطیب بناتے ہیں" —— کہا ہے "حدیث موضوع کی معرفت اور شناخت کے دو طریقے ہیں۔ اول یہ کہ الفاظِ حدیث اس قدر سطحی اور اس فصاحت و بلاغت سے خالی ہوں جس کی توقع نبی علیہ السلام سے کی جاسکتی ہے، یعنی خود رکاکتِ الفاظ اور خساستِ معانی وضع پر دلالت کرے۔ حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "فقد وضعت احادیث طویلۃ یشھد بوضعھا رکاکۃ الفاظھا ومعانیھا" (مقدمۃ مع التقیید ص۱۳)۔

چنانچہ مذکورہ روایت کے مضمون پر معمولی غور بھی کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ یہ انتہائی لغو اور خود ساختہ کہانی ہونے کے ساتھ ساتھ مصدقہ تاریخی حقائق و واقعات کے بھی یکسر منافی ہے اور جس واعظ اور قصہ گو خطیب نے محض زیب داستان کے لئے اس کو وضع کیا ہے اس کی زبان بزبانِ حال شہادت دے رہی ہے کہ یہ الفاظ اس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قطعاً نہیں جن کے سامنے عرب کے بلغاء و فصحاء اور نامور ادیب و خطیب بھی سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور تھے اور اس کے معانی بزبانِ حال اوتیت بجوامع الکلم سے فرار اختیار کرتے نظر آتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ وہ حکمت و عظمت اور وسعت اس میں نہیں جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شایانِ شان ہوسکتی ہے —— بہرحال دوسرا طریقہ انہوں نے یہ لکھا ہے:

"وقد یفھمون الوضع من قرینۃ حال الراوی"

یعنی اس روایت کے سلسلہ اسناد کے تمام رواۃ کو دیکھا جائے گا، اگر اس میں کہیں کوئی وضاع، کذاب، قصہ گو خطیب ہو تو سمجھا جائے گا کہ یہ حدیث اگر کسی اور صحیح سند سے مروی نہیں تو اس کی کرشمہ سازی ہے۔ چنانچہ مذکورہ حدیث کے رواۃ پر جب نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو گا کہ حدیث موضوع ہے۔

حدیث کی اسنادی حیثیت:

مثلاً اس مذکورہ طویل و دلپذیر حدیث کے سلسلہ سند میں ایک راوی عبدالمنعم بن

ادریس ہے جو اس روایت کو اپنے شیخ الشیخ وھب بن منبہ سے ذکر کرتا ہے، امام ذہبیؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

"مشہور قصاص لیس یعتمد علیہ ترکہ غیر واحد وافصح احمد بن حنبل فقال یکذب علی وھب بن منبہ ولہ عن ابیہ عن وھب عن جابر وابن عباس خبر فی وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانہ دفع القضیب الی عکاشۃ لیقتص منہ" (میزان الاعتدال ص ۶۶۸ ج ۲)

یعنی "اس روایت کا مرکزی کردار عبدالمنعم بن ادریس ہے جو ایک مشہور ناقابل اعتماد قصہ گو تھا جس پر امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ "وہ اپنے شیخ الشیخ وھب بن منبہ پر جھوٹ باندھا کرتا تھا"۔ امام ذہبی مزید کہتے ہیں کہ "اس نے اپنے شیخ الشیخ وھب سے ایک روایت حضرت جابر و ابن عباس (یعنی مذکورہ روایت) سے نبی علیہ السلام کی وفات سے متعلق بھی نقل کی ہے جس میں ہے کہ آپؐ نے حضرت عکاشہ کو قصاص دینے کی غرض سے چھڑی تھما دی ــــ گویا کہ امام ذہبی فرمانا چاہتے ہیں کہ اس کی موضوع روایات میں سے یہی مذکورہ روایت ہے جسے ہم نے مجمع الزوائد ص ۲۶، ۳۱ ج ۹ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ خود علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں:

"وفیہ عبد المنعم بن ادریس وھو کذاب وضاع"

حافظ ابن حجرؒ اس راوی پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"قال احمد اذا سئل عنہ لم یسمع عن ابیہ شیئا .... وقال الفلاسی متروک اخذ کتب ابیہ فحدث بہا ولم یسمع من ابیہ شیئا" (لسان المیزان ص ۷۳ ج ۴)

امام ابن الجوزی اس روایت کو موضوعات میں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"ھذا حدیث موضوع محال کافأ اللہ من وضعہ وقبح من یشین الشریعۃ بمثل ھذا التخلیط البارد والکلام الذی لا یلیق بالرسول صلی اللہ علیہ وسلم ولا بالصحابۃ والمتہم بہ عبد المنعم بن ادریس وقال الدارقطنی ھو وابوہ متروکان" (موضوعات ص ۳۰۱ ج ۱)

یعنی "یہ حدیث قطعاً موضوع اور بناوٹی ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو تباہ برباد کرے جو ایسی احادیث وضع کرکے شریعت مطہرہ کے چشمہ صافی کو گدلا کرنا چاہتا ہے اور ایسا کلام و واقعات بتاتا ہے جو نہ صرف کہ نبی علیہ السلام کی شایان شان نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان سے کہیں بالا و بلند اور مبرا ہیں۔ بہر حال اس میں عبدالمنعم بن ادریس

جو اپنے باپ ادریس سے روایت کرتا ہے ـــــ راوی ہے جو کہ اپنے باپ سمیت ناقابل التفات ہے"ـــــ!

علامہ طاہر فتنی اس حدیث پر تبصرہ فرماتے ہیں کہ: ھوحدیث طویل فی ثلاثۃ اوراق وھومنکر" (تذکرۃ الموضوعات ص ۲۱۴ ج ۱) علامہ سیوطی فرماتے ہیں۔ "موضوع آفتہ عبدالمنعم"ـــــ (اللآلی المصنوعۃ ص ۲۸۳ ج ۱) علامہ شوکانی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

" رواہ ابونعیم عن ابن عباس مرفوعاً مطولاً فی نحو ثلاث ورق وھو موضوع آفتہ عبدالمنعم بن ادریس بن سنان" (الفوائد المجموعۃ ص ۳۲۴)

"ان تمام تصریحات اہل فن اور توضیحات محدثین کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح سامنے آجاتی ہے کہ اس روایت کا مرکزی راوی عبدالمنعم ابن ادریس ہے جو اپنے باپ سے روایت کرتا ہے لیکن اس کا اپنے والد سے سماع قطعاً ثابت نہیں اور اگر بفرض محال کوئی ایسی صورت ہو کہ اپنے باپ کی روایات کو نقل کر سکتا ہے تو پھر بھی یہ روایت قابل احتجاج نہیں ہو سکتی کیونکہ دونوں باپ بیٹا اہل علم کے نزدیک وضاع کذاب اور نہایت درجہ ضعیف و متروک ہیں۔ لہٰذا ایسے راوی کی روایت کو خواہ فضائل و محامد ہی میں کیوں نہ ہو، بیان کرنا شان علم کے منافی ہے اور عوام کو گمراہ کرنے کے مترادف! ـــــ جو قصہ گو خطباء و وعاظ اس حدیث کو زیب داستان کے طور پر استعمال کرتے ہیں، انہیں امام ابن جوزی کے ریمارکس پر غور کرنا چاہیے کہ وہ کس قدر گھناؤنے جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ بالخصوص جب کہ محدثین نے لکھا ہے کہ ایسی موضوع اور ضعیف روایات کو وضاحت اور علت و کمزوری بیان کئے بغیر بیان کرنا وضع حدیث کے جرم سے کم نہیں۔ لہٰذا ـــــ "من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار" کی وعید سے ڈرنا چاہیے۔